سید علی ہمدانی اور اقبال

مسئلہ خیر و شر اور معرکۂ روح و بدن

بشیر احمد ڈار

سید علی ہمدانی ۱۳۱۴/۱۴ء میں پیدا ہوئے ۔ وہ کبرویہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے جو سہروردیوں کی ایک شاخ ہے ۔ ان کے مرشدوں کا سلسلہ دو واسطوں سے علاء الدولہ سمنانی سے ہوتا ہوا نجم الدین کبریٰ تک پہنچتا ہے ۔ انہوں نے دنیائے اسلام میں کئی بار سیر و سیاحت کی ۔ وہ ۱۳۷۲/۷۴ء میں کشمیر پہنچے جب شہاب الدین حکمران تھا ۔ اس سفر میں ۷۰۰ مرید ان کے ہمراہ تھے جن کو انہوں نے کشمیر میں بسا دیا ۔ یہ لوگ مختلف فنون کے ماہر تھے انہوں نے کشمیر کے لوگوں کو اسلام سے آشنا کر دیا اور اس کے ساتھ ایران کے مختلف علوم و فنون کشمیر میں رائج کئے ۔ اس بنا پر کشمیر کو ایران صغیر کہا جاتا رہا ہے ۔

اقبال ان کے متعلق (جاوید نامہ صفحہ ۱۸۴) میں کہتا ہے ۔

آفرید آں مرد ایران صغیر با ہنر ہائی غریب و دلپذیر

اس کے بعد دو دفعہ وہ کشمیر آئے اور ہر دفعہ اسلام کی تبلیغ میں بڑی کوشش کی ۔ آپ ۱۳۸۵/۸۶ء میں فوت ہوئے ۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند اور خلفاء کشمیر میں مستقل طور پر رہ گئے (۱) ۔ کشمیر کے مسلمان ان کے احسان سے سبک دوش نہیں ہو سکتے ۔ (جاوید نامہ صفحہ ۱۸۵)

۱۔ سید علی ہمدانی کے متعلق متنازعہ فیہ مسئلہ ہے کہ وہ شیعہ تھے یا سنی ۔ نور بخشی سلسلہ جو دو واسطوں سے سید ہمدانی تک پہنچتا ہے شیعہ یا اسماعیلی عقائد کا حامل تھا ۔ لیکن اس اشتباہ کی ایک وجہ یہ ہے کہ بعض رسائل غلط طور پر ان کے نام منسوب کئے جاتے ہیں ۔ علی ہمدانی کئی بزرگوں کا نام ہے مثلاً ایک رسالہ مکان و زمان ایک شخص ابن علی ہمدانی کا تصنیف کردہ ہے لیکن وہ دوسرے صاحب ہیں ۔ سید علی ہمدانی کی ایک کتاب ذخیرۃ الملوک ہے ۔ اس میں واضح طور پر خلفائے راشدین کا ذکر ہے ۔

سید السادات سالار عجم دست او معمار تقدیر امم
تا غزالی درس الله هو گرفت ذکر و فکر از دودمان او گرفت
مرشد آن کشور مینو نظیر میر و درویش و سلاطین را مشیر
خطه را آن شاه دریا آستیں داد علم و صنعت و تہذیب ودیں

سید علی همدانی وہ شخص تھے جنہوں نے قوموں کی زندگی بنائی اور ان کو نئی منزلوں سے روشناس کرایا ۔ غزالی (۱۱۱۱/۵۰۵ - ۱۰۵۸/۴۵۰) نے جب تصوف کی طرف رخ کیا تو اس سلسلہ میں ان کے استاد وہ شخص تھے جن کا تعلق سید علی همدانی کے خاندان سے تھا ۔ سہروردی سلسلہ کی خصوصیات کے مطابق انہوں نے سیاسی معاملات میں بادشاہوں کی راہنمائی کی اور اس مقصد کی خاطر انہوں نے ایک کتاب بھی تالیف کی جو ذخیرۃالملوک کے نام سے مشہور ہے تیسرے شعر کے آخری مصرع میں جو اقبال نے ذکر کیا ہے کہ وہ امراء سلطنت اور درویشوں کے مشیر تھے تو اس کا اشارہ ان کی اسی کتاب کی طرف ہے جو انہوں نے ان دونوں کے فائدے کے لئے لکھی تھی ۔ آگے چل کر صفحہ ۱۹۱ پر اسی بات کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا ہے :

مرشد معنی نگاہاں بودۂ محرم اسرار شاہاں بودۂ

یہ کتاب مطبع افغانی امرتسر میں ۱۳۲۱ ہجری میں شائع ہوئی ۔ اس کے دیباچے میں مصنف کرام جو اپنا نام سید علی ابن شہاب الدین الہمدانی لکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ بہت سے بادشاہوں اور حکام نے اور اس طرح امراء نے جو امور دین میں اصلاح چاہتے تھے آپ سے راہنمائی کی درخواست کی لیکن مختلف مشاغل کی وجہ سے وہ اسطرف متوجہ نہ ہو سکے ۔ پھر ایک عزیز کی فرمائش پر اس ارادے کی تجدید ہوئی اور اسطرح یہ رسالہ معرض تحریر میں آیا ۔ ''مشتمل برلوازم قواعد سلطنت صوری و معنوی و مبنی بر ذکر احکام حکومت ولائت و تحصیل سعادت دنیوی و اخروی'' یعنی اس میں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات پر بحث کی گئی ۔

اس کتاب میں دس باب باندھے گئے ہیں ۔ چونکہ یہ کتاب عام طور پر دستیاب نہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے محتویات کو مختصراً بیان کر دیا جائے ۔

پہلے باب میں ایمان کے شرائط و لوازم پر بحث ہے جن پر ہر انسان کی نجات کا دار و مدار ہے ۔ دوسرے باب میں حقوق عبودیت کی ادائیگی کا ذکر ہے ۔ تیسرے باب میں مکارم اخلاق و حسن خلق کا ذکر ہے اور حاکم اور بادشاہ کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ خلفائے راشدین کی سیرت کی پیروی کریں ۔ چوتھے باب میں والدین ، بیوی (یا خاوند) ، اولاد اور عزیز و اقارب کے حقوق کا ذکر ہے ۔ پانچویں باب میں سلطنت دنیوی اور رعایا کے حقوق اور شرائط حکومت ، عدل و احسان پر بحث ہے ۔ چھٹے باب میں سلطنت معنوی اور اسرار خلافت انسانی کی تشریح کی گئی ہے ۔ ساتویں میں امر معروف و نہی منکر ، آٹھویں میں حقائق شکر نعمت ، نویں میں صبر کی حقیقت اور دسویں اور آخری باب میں تکبر اور غضب کی مذمت بیان کی گئی ہے ۔

جب اقبال اپنے افلاکی سفر میں قمر ، عطارد ، زہرہ ، مریخ ، مشتری اور زحل سے ہوتا ہوا سوئے افلاک پہنچتا ہے تو اسکا سفر اسے جنت الفردوس کی طرف لے جاتا ہے ۔ یہ جہاں بالکل بے جہت ہے جسمیں نہ داہاں ہے نہ بایاں ، نہ رات ہے اور نہ دن ۔ ایسے جہاں میں مادی ذرائع بیان ، حرف و صوت و زبان بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں ۔ جسطرح پنجرے میں مقید پرندہ اڑنے کی لذت سے نا آشنا رہتا ہے اسی طرح اس آب و گل کی زبان سے جان و روح کی باتیں کرنا ممکن نہیں ۔ دل کی دنیا ایک ایسا عالم ہے جو رنگ و بو اور یمین و یسار سے ماورا ہے ۔ ارمغان حجاز (۱۶۸ ، ۱۷۰) میں فرماتے ہیں ۔

تو می گوئی کہ دل از خاک و خون است گرفتار طلسم کاف و نون است
دل ما گرچہ اندر سینۂ ما است و لیکن از جہان ما برون است

یہ صحیح ہے کہ یہ دل جسم کی چار دیواری میں محدود نظر آتا ہے اور اس طلسم کائنات میں گرفتار ہے لیکن اس کے باوجود اس کی دنیا اس خاک و خون کی دنیا سے ایک الگ حقیقت ہے ۔

جہان دل جہان رنگ و بو نیست در و پست و بلند و کاخ و کو نیست
زمین و آسمان و چار سو نیست دریں عالم بجز اللہ ہو نیست

دل کی اس دنیا میں نہ دایاں ہے نہ بایاں ، نہ زمین نہ آسمان ، نہ یہ شش جہت جس نے ہمیں گھیر رکھا ہے ۔ اس دل کی دنیا میں صرف ایک حقیقت ہے اور وہ ہے ذات خداوندی جس سے اس کا بلا واسطہ رابطہ ہے اور جس کی بنا پر دل کی دنیا عالم احوال و افکار کی دنیا بن گئی ہے ۔ اس دنیا میں عقل کی کار فرمائی نہیں بلکہ عشق کی حکومت ہے جہاں آنکھ سورج کی شعاعوں کے بغیر دیکھتی ہے اور جہاں دیدار دوست کا سرور ہر وقت میسر ہے (جاوید نامہ ، ۱۷۹) یہ جہاں کیسا جہان ہے؟ میں حیران تھا کہ میرے دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پوری ہو گئی ۔ میں کیا بتاؤں وہ جہاں تو نور و حضور و زندگی سے عبارت ہے ۔ اس میں لالے کے پھول پہاڑوں کے دامن میں ، دوڑتی ہوئی نہریں اور سرخ و سفید غنچے جو قدوسیوں کے دم جاں آفرین سے کھلتے ہیں اور پھر

خیمه ها یا قوت گوں زریں طناب شاهداں با طلعت آئینه تاب

جب میں نے رومی سے سوال کیا کہ یہ سب کچھ کیا ہے تو جواب ملا

از تجلی کار هائے خوب و زشت می شود آن دوزخ ایں گردد بهشت
ایں که بینی قصر هائے رنگ رنگ اصلش از اعمال و نے از خشت و سنگ
آنچه خوانی کوثر و غلمان و حور جلوهٔ ایں عالم جذب و سرور

یعنی یہ بہشت اور دوزخ کیا ہیں؟ محض انسانوں کے اعمال ہیں جو اس مجسم شکل میں نظر آتے ہیں بہشت کے یہ محل اور باغ ، یہ کوثر و غلمان و حور کیا ہیں محض عالم جذب و سرور کی مادی شکلیں ہیں ۔ یہ جنت و دوزخ انسانی اعمال ہی کی دوسری شکل ہیں- تشکیل جدید (صفحہ ۱۸۵) میں فرماتے ہیں ''جنت و دوزخ اس کے (یعنی انسان کے) احوال ہیں ، وہ کسی مقام یا جگہ کے نام نہیں ہیں'' ۔ چنانچہ قرآن پاک میں ان کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس سے مقصود بھی یہی ہے کہ ایک داخلی حقیقت ، یعنی انسان کے اندرونی احوال کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھر جائے ۔ جیسا کہ دوزخ کے بارے میں ارشاد (خداوندی) ہے: ''اللہ کی جلائی ہوئی آگ جو دلوں تک پہنچتی ہے (۱۰۴ ، ٦)'' ۔

مولانا روم اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں (دفتر چہارم ، ۴۷۵ و ما بعد)

زانکه جنت را نہ زآلت بستہ اند بلکہ از اعمال و نیت بستہ اند
این بنا ز آب و گل مرده بد ست و آں بنا از طاعت زندہ شد ست
این باصل خویش ماند پر خلل وآں باصل خود کہ علم ست و عمل

جنت پتھر اور دیگر چیزوں سے نہیں بنائی جاتی بلکہ اس کی تعمیر عمل اور نیت سے ہوتی ہے۔ دنیا کی عمارتیں آب و گل سے بنتی ہیں ، جنت کی عمارتیں طاعت و فرمانبرداری سے تعمیر ہوئی ہیں۔ یہاں کی عمارتوں کی بنیاد میں خلل ہوتا ہے ، وہاں کی عمارتوں کی بنیاد علم و عمل پر ہے۔

دیوان شمس تبریز (نکلسن کا انگریزی اڈیشن انتخاب ، صفحہ ۳۳۷) میں لکھتے ہیں :

زادہ از اندیشہ ہائے خوب تو ولدان و حور
زادہ از اندیشہ ہائی زشت تو دیو کلاں

جنت کے متعلق قرآن مجید میں ولدان و حور کا ذکر ہے (۷۶ ، ۱۸ اور ۵۲ ، ۲۰) ۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ یہ انسان کے اندیشہ ہائے خوب ہیں جو اس شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور اسی طرح اندیشہ ہائے بد خوفناک دیو کی شکل اختیار کر لیتے ہیں

دفتر دوم میں ایک جگہ (شعر ۳۱۰۹) فرماتے ہیں ۔

دوزخ و جنت ہمہ اجزائے او ست

رومی زندہ رود یعنی اقبال کو شاہ ہمدان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کی ایک نگاہ سینکڑوں مشکلات حل کرتی ہے ۔ زندہ رود نے سب سے پہلا جو سوال کیا وہ کافی اہم ہے اور مسئلہ خیر و شر سے تعلق رکھتا ہے ۔

قرآن حکیم میں حکم دیا گیا ہے کہ اطیعو اللہ والرسول (۳ ، ۱۳۱) کہ خدا اور رسول کی اطاعت کرو لیکن اس کے ساتھ ہی آدم کو ورغلانے کے لئے

ابلیس پیدا کر دیا گیا جس نے کھلم کھلا اعلان کیا کہ وہ انسان کو ہر طرف سے ، سامنے سے پیچھے سے ، دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے ، حملہ کر کے گمراہ کرے گا (۷ ، ۱۷) ۔ اور اس کے متعلق انسان کو اطلاع دے دی گئی کہ ابلیس انسان کا کھلا دشمن ہے (۷ ، ۲۲) ۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آدم سے اطاعت کا مطالبہ کیا گیا تو پھر شیطان کی آفرینش کیوں ہوئی ؟ ہم سے نیکی چاہنا اور نیکی اور بدی دونوں کا یکجا موجود ہونا کیوں ؟ یہ کیا فسوں سازی ہے کہ

درمیاں قعر دریا تختہ بندم کردۂ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اس کا سیدھا سادھا جواب یہ ہے کہ اس کائنات اور انسان کی تخلیق کچھ اس قسم کی ہوئی ہے کہ دو متضاد عناصر کے تصادم کے بغیر ارتقا کا تصور محال ہے ۔ مولانا رومی فرماتے ہیں (دفتر اول ، اشعار ۱۱۳۰ و ما بعد)

رنج و غم را حق بے آن آفرید تابدیں ضد خوش دلی آید پدید
کہ نظر بر نور بود آنگہ پرنگ ضد بضد پیدا بود چوں روم و زنگ
پس بضد نور دانستی تو نور ضد ضد را می نماید در صد ور

خدا نے رنج و غم اس لئے پیدا کیا تا کہ اس کے ضد خوشدلی کا احساس ہو سکے ۔ پہلے نظر روشنی پر پڑتی ہے اور پھر رنگ پر ۔ ضد کے وجود سے کسی شے کا علم ہوتا ہے جیسا کہ رومی اور حبشی ۔ تاریکی کی مدد سے نور کا علم ہوتا ہے اور ہر شے کا علم اس کی ضد سے ہوتا ہے ۔

دفتر ششم (اشعار ۵ و ما بعد) میں فرماتے ہیں :

پس بنائے خلق بر اضداد بود لا جرم ما جنگیم از ضر و سود
ہست احوالم خلاف ہمدگر ہر یکے باہم مخالف در اثر
ایں شانی از ضد آید ضد را چوں نباشد ضد نبود خبر بقا

اس کائنات کا دار و مدار اضداد کے وجود پر ہے اور یہ اضداد آپس میں ہر وقت بر سر پیکار ہیں ایک حال دوسرے حال سے مختلف ہے ۔ ایک ضد اپنے

مخالف کو فنا کرتی ہے اور اگر دنیا میں اضداد کا یہ اصول کار فرما نہ ہو تو پھر یہ دنیا فنا سے بالا ہو جائے ۔ جب سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے یعنی بے رنگی سے رنگ پیدا ہوا ہے یہ تصادم اضداد ، نیک و بد اور خوب و زشت ، جاری ہے اور اسی طرح موسیٰ و فرعون، مصطفےٰ اور بو لہب ، ابراہیم و نمرود ۔ (دفتر اول ، ۲۴۶۷)

چونک بے رنگی اسیر رنگ شد موسئی با موسئی در جنگ شد

دفتر دوم میں (شعر ۲۶۸۰) میں فرماتے ہیں

قہر و لطفے جفت شد با ہمدگر زاد ازیں ہر دو جہانے خیر و شر

لیکن یہ تصادم و کشمکش سیاسی نہیں بلکہ اخلاقی ہے انسانی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انسانی نفس ایک نازک وجود ہے جس کی بقا و ارتقا کا انحصار اسی تصادم پر منحصر ہے حتیٰ کہ اس زندگی کے اختتام کے بعد اس کی بقا بھی اسی اصول کی مرہون منت ہے ۔ اسرار خودی میں اسی اصول کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں (صفحہ ۱۲) :

صد جہاں پوشیدہ اندر ذات او غیر او پیدا ست از اثبات او
در جہاں تخم خصومت کاشت است خویشتن را غیر خود پنداشت است
سازد از خود پیکر اغیار را تا فزاید لذت پیکار را

خودی اپنے وجود کو بر قرار رکھنے کے لئے غیر خود کو پیدا کرتی ہے اور اس طرح تصادم کا آغاز ہوتا ہے اور اس کی ہستی بلکہ کہنا چاہئے کہ اس کے وجود کی معنویت اسی تصادم پر منحصر ہے ۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں : ”میرے نزدیک ان سے (یعنی عمل کی وہ صورتیں جن میں تصادم و پیکار بھی شامل ہے) انسان کو زیادہ استحکام و استقلال حاصل ہوتا ہے ۔ چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر میں نے سکون و جمود اور اس نوع کے تصوف کو جس کا دائرہ محض قیاس آرائیوں تک محدود ہو مردود قرار دیا ہے۔

میں تصادم کو سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ اخلاقی حیثیت سے ضروری سمجھتا ہوں — — — — — (خط بنام ڈاکٹر نکلسن ، اقبالنامہ ، اول ، صفحہ ۴۶۵ - ۴۶۷)“

اسی تصادم کو جو اقبال نے خود اور غیر خود کے درمیان بیان کیا ہے ، رومی موسیٰ اور فرعون کے نام سے پیش کرتے ہیں کیونکہ موسیٰ اور فرعون دونوں انسان کے اندر موجود ہیں - دفتر سوم (شعر ۱۲۵۲) میں فرماتے ہیں

موسیٰ و فرعون در هستی تست باید این دو خصم را در خویش جست

موسیٰ و فرعون دونوں تیرے اندر موجود ہیں - ان دونوں حریفوں کی تلاش اپنے اندر کرنی چاہئے -

جرمن فلسفی ہیگل نے جو عمل تحلیل اضداد پیش کیا ہے وہ یہی رومی کا نظریہ تصادم ہے جو کائنات میں بھی کار فرما ہے - وجودیات میں بھی اور اخلاقیات میں بھی - یہی وہ نظریہ ہے جس کی بنیاد پر کارل مارکس نے اشتمالیت کا نظریہ پیش کیا - اس کے نزدیک یہ عمل تضاد انسانی تاریخ میں کار فرما ہے لیکن ہیگل اور رومی کے برعکس کارل مارکس اخلاقی پہلو کو تسلیم نہیں کرتا - جس طرح ڈارون اور اس کے متبعین نے اور خاص کر جرمن مفکر شوپن ہاور نے اس کائنات میں پیہم کشمکش اور کشت و خون کے عمل کا ذکر کیا ہے اسی طرح رومی بھی اس نظریۂ اضداد کی بنیاد پر اس نقطہ نگاہ کا حامی ہے کہ یہ دنیا ایک مسلسل جنگ و تصادم کی کارگاہ ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس میں سکون نہیں - سکون محال ہے قدرت کے کارخانے میں - دفتر ششم (شعر ۳۶ و ما بعد) میں فرماتے ہیں

این جہان جنگ است کل چون بنگری ذرہ با ذرہ چون دیں با کافری
آن یکے ذرہ همی پرد بچپ و آن دگر سوی یمین اندر طلب
جنگ طبعی جنگ فعلی جنگ قول درمیان جز و ها حربے ست هول
این جہان زین جنگ قائم می بود در عناصر دو نگر تا حل شود

یہ تمام جہان جنگ میں مبتلا ہے ، اس کا ذرہ ذرہ اس طرح دست و گریباں ہے جس طرح اسلام اور کفر - ایک ذرہ دائیں طرف جاتا ہے تو دوسرا بائیں طرف جانے کی کوشش کرتا ہے - کائنات میں جنگ جاری ہے جس طرح افعال اور اقوال میں تصادم نظر آتا ہے - اگر حقیقت کا مطالعہ گہری نگاہ سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ کائنات محض اس جنگ اور تصادم پر قائم ہے -

اسی بنا پر رومی کے نزدیک ایک فرد کی اخلاقی اصلاح کے لئے عدو یعنی دشمن کی انتہائی ضرورت ہے ۔ یہ دشمن وہی ''غیر خود'' ہے جس کا ذکر اقبال نے اسرار خودی (صفحہ ۱۲) میں کیا ہے ۔ ''تخم خصومت'' جو بویا جاتا ہے تو اس کا مقصد سنگیں دلی کا مظاہرہ یا خون انسان کی ارزانی نہیں بلکہ ''خلق و تکمیل جمال معنوی'' ہے ۔ اور دشمن کا وجود فرد کے لئے یہی سامان فراہم کرنا ہے یعنی اس کے اخلاق کی تکمیل کا باعث ہوتا ہے ۔

دفتر چہارم (شعر ۱۰۷۷) میں فرماتے ہیں

گر نبودے خصم و دشمن در جہاں　　پس بمردے خشم اندر مردماں

اگر دنیا میں دشمن نہ ہوتا تو انسانوں میں غصہ ختم ہو جاتا اور پھر اگر غصہ ختم ہو جائے تو اس کے ساتھ رحم اور مرحمت بھی معدوم ہو جائیں ۔ اسی دفتر میں ایک واعظ کا ذکر کرتے ہیں جو اپنا ہر وعظ ظالم اور سخت دل انسانوں کے لئے دعا کرتے ہوئے شروع کرتا تھا ۔ کسی شخص نے اس سے اس کا سبب پوچھا ۔ واعظ کہنے لگا کہ میں ان لوگوں کے لئے دعائے خیر کرنے پر اس بنا پر مجبور ہوں کہ ان کے ظلم و ستم کے باعث میں برے کاموں سے نیکی کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔

خبث و ظلم و جور چنداں ساختند　　کہ مرا از شر بخیر انداختند
چوں سبب ساز صلاح من شدند　　پس دعا شاں بر منت اے ہوشمند

اور پھر فرماتے ہیں

در حقیقت ہر عدو داروئی تست　　کیمیا و نافع و دلجوئی تست

دفتر پنجم میں مشہور حدیث لا رہبانیۃ فی الاسلام یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں ، کی تشریح کرتے ہوئے اسی نظریۂ تصادم کی وضاحت کرتے ہیں ۔ قرآن مجید میں حکم آتا ہے کہ انفقوا یعنی انفاق کرو یعنی حقدار لوگوں کی مدد کرو ۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو پورا حکم وضاحت سے تشریح کر دیتا ہے ۔ یعنی 'اکسبوا ثم انفقوا' روزی کماؤ اور پھر خرچ کرو ۔ اسی طرح جب حکم ہوتا ہے کہ کلوا و اشربوا یعنی کھاؤ اور پیو تو اس کے بعد حکم ہوتا ہے کہ

لا تسرفوا یعنی فضول خرچی نہ کرو۔ انفاق کرنے اور فضول خرچی سے منع کرنے کے حکم تبھی قابل عمل ہیں اگر ان کے ساتھ انسان میں کمانے اور کھانے پینے کے داعیئے موجود ہوتے ہیں اس طرح اگر خدا نے جہاد کا حکم دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دشمن کا وجود فرض کر لیا گیا ہے گویا جہاد کا حکم پورا کرنے کے لئے دشمن کا وجود لا بدی ہے۔ اگر خدا کہتا ہے کہ پاکبازی اختیار کرو تو اس کا واضح مطلب ہے کہ انسان شہوت پر قابو پائے یہ نہیں کہ اس سے بکسر محروم ہو جائے۔ مولانا فرماتے ہیں (اشعار ۷۷۵ و ما بعد) :

ہر مکن پر را و دل برکن ازو	زانک شرط این جہاد آمد عدو
چون عدو نبود جہاد آمد محال	شہوتت نبود نباشد امتثال
صبر نبود چون نباشد میل تو	خصم چون نبود چہ حاجت حیل تو
ہیں مکن خود را خصی راہبان مشو	زانک عفت ہست شہوت را گرو

اقبال نے اسی نظریئے کو اسرار خودی (صفحہ ۷۵-۷۰) میں ایک کہانی کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ ایک شخص مرو سے لاہور آیا تا کہ حضرت ہجویری سے مشورہ کر سکے اس نے ذکر کیا کہ اس کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے، اس کے دشمنوں نے اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے اسے کسی کل چین نہیں۔ مسافر کی باتیں سن کر حضرت ہجویری نے فرمایا کہ بیٹے تم غم مت کھاؤ، دل مضبوط رکھو۔ جب پتھر یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ شیشہ ہے تو ٹوٹنا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ اگر ایسا آدمی سفر پر روانہ ہو تو راہزن اس کو لوٹنے کے لئے موجود ہو جاتا ہے۔ تمہارا جسم تو یقیناً مٹی سے بنا ہے لیکن تم محض جسم نہیں۔ اپنی مٹی سے شعلۂ طور پیدا کرنا بھی تمہارے لئے ممکن ہے۔ یہ دشمن جن کا تم گلہ کر رہے ہو یہ تمہارے دوست ہیں، تمہاری کھیتی کے لیے بارش کا پانی اور تمہارے ممکنات کو بار آور کرنے کا ذریعہ۔ فرماتے ہیں

راست میگویم عدو هم یار تست	هستئی او رونق بازار تست
هر که دانائے مقامات خودی ست	فضل حق داند اگر دشمن قوی است
کشت انسان را عدو باشد سحاب	ممکناتش را بر انگیزد ز خواب

یہی سوال جاوید نامہ میں اقبال نے شاہ ہمدان سے یوں کیا ہے: "یہ سوال راز خداوندی ہے شاید آپ عقدہ کشائی کر سکیں" ۔

از تو خواہم سر یزداں را کلید — طاعت از ما جست و شیطاں آفرید
زشت و ناخوش را چناں آراستن — در عمل از ما نکوئی خواستن
از تو پرسم ایں فسوں سازی کہ چہ! — با قمار بد نشیں بازی کہ چہ!

ہم سے اطاعت کا مطالبہ اور پھر شیطان رجیم کی آفرینش ۔ نیکی اور بدی کو آمنے سامنے رکھ دیا گیا ہے اور پھر ہم سے نیکی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ یہ کیا فسوں سازی ہے؟ شیطان بد نشین کی صحبت سے کیا مقصود ہے ؟ اس کے جواب میں شاہ ہمدان نے رومی اور اقبال کا نظریہ 'تصادم اور کائناتی جنگ' پیش کر دیا ۔ لیکن اس تصادم اور جنگ میں کامیاب ہونے کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ انسان سیرت میں پختگی پیدا کرے ۔ اس سلسلہ میں حضرت ہجویری فرماتے ہیں ۔

خویش را چوں از خودی محکم کنی — تو اگر خواہی جہاں برہم زنی

پھر ایک پرندے کی کہانی بیان کرتے ہیں جو پیاس سے نڈھال ہو رہا تھا ۔ اس نے پتھر کے ایک ٹکڑے پر چونچ ماری سوائے تکلیف کے کچھ حاصل نہ ہوا ۔ پھر اس نے شبنم کے قطرے پر چونچ ماری اور اس طرح اپنی پیاس بجھائی ۔ اس پر اقبال نے ان دونوں کا مقابلہ کیا ہے ۔ شبنم کا قطرہ اپنی خودی قائم نہ رکھ سکا ۔ اس لئے اپنی زندگی کھو بیٹھا ۔ اس کے مقابلے میں پتھر کا ٹکڑا اپنی خودی برقرار رکھنے کے باعث زندہ رہا ۔

غافل از حفظ خودی یک دم مشو — ریزۂ الماس شو شبنم مشو
پختہ فطرت صورت کہسار باش — حامل صدا بر دریا بار باش

اس طرح کوئلے اور ہیرے کا مقابلہ کیا ہے ۔ ہیرا کوئلے سے مخاطب ہو کر کہتا ہے (اسرار خودی ۴۶) :

گفت الماس اے رفیق نکتہ بیں — تیرہ خاک از پختگی گردد نگیں
پیکرم از پختگی ذوالنور شد — سینہ ام از جلوہ ھا معمور شد

اور آخری سبق یہ ہے

فارغ از خوف و غم و وسواس باش — پختہ مثل سنگ شو الماس شو
می شود از وے دو عالم مستنیر — ہرکہ باشد سخت کوش و سخت گیر
در صلابت آبروئے زندگی است — نا توانی ناکسی نا پختگی است

شاہ ہمدان زندہ رود کو اسی لئے مشورہ دیتے ہیں

تیز تر شو تافتد ضرب تو سخت — ورنہ باشی در دو گیتی تیرہ بخت

یعنی اگر پختگی ، سخت کوشی ، سخت گیری اور صلابت پیدا نہیں ہوئی تو انسان کی قسمت کا نقشہ پتھر کے مقابلے میں شبنم کے قطرے کا سا ہوگا اور الماس کے مقابلے میں کوئلے جیسا جس کا نتیجہ تیرہ بختی کے سوا کچھ نہیں ۔

تصادم کے نظریئے کا دوسرا پہلو دشمن کا وجود ہے جو دینیاتی زبان میں شیطان و ابلیس کی شکل میں پیش کیا گیا ہے ۔ مولانا روم نے چھٹے دفتر میں انسان کے خلیفۃ اللہ ہونے پر بحث کرتے ہوئے اسی نکتہ کی وضاحت کی ہے ۔ فرماتے ہیں کہ آدم اور ابلیس ، ہابیل و قابیل ، ابراہیم و نمرود ، موسیٰ اور فرعون ، مصطفیٰ اور ابوجہل اسی تصادم کے نمونے ہیں (اشعار ۲۱۵۳ وما بعد):

پس خلیفہ ساخت صاحب سینۂ — تا بود شاہیش را آئینۂ
پس صفائی بے حدودش داد او — و آنگہ از ظلمت ضدش بنہاد او
دو علم بر ساخت اسپید و سیاہ — آن یکے آدم دگر ابلیس راہ
ہمچناں دور دوم ہابیل شد — ضد نور پاک او قابیل شد
ہمچناں ایں دو علم از عدل و جور — تا بنمرود آمد اندر دور دور
ضد ابراہیم گشت و خصم او — و آں دو لشکر کیں گذار و جنگجو
دور دور و قرن قرن ایں دو فریق — تا بفرعون و بموسیٰ شفیق
ہمچناں تا دور و طور مصطفیٰ — با ابوجہل آں سپہدار جفا

یعنی خدا نے ایک صاحب دل کو اپنا خلیفہ بنایا تاکہ وہ اس کی شکل میں اپنی شاہنشہی کے پرتو کو جلوہ فرما کر سکے۔ اس مقصد کے لئے اس نے اس

صاحب دل کو انتہائی صفائی اور پاکی سے سر فراز کیا۔ اس مقصد کے ساتھ ہی اس پاکی اور صفائی کی ضد یعنی ظلمت بھی پیدا کر دی اور دو جھنڈے کھڑے کئے ، ایک سفید دوسرا سیاہ ، ایک آدم دوسرا ابلیس ۔ پھر دوسرے دور میں یہی تضاد هابیل قابیل کی شکل میں نمودار هوا ۔ هوتے هوتے ظلم و جور اور عمل و انصاف کے جھنڈے نمرود اور ابراهیم کی هیئت میں همارے سامنے آئے ۔ یہ دونوں فریق هر دور اور هر قرن میں ظاهر هوتے هوئے موسیٰ اور فرعون اور بعد میں مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوجہل کی هستیوں میں ظاهر هوئے اور تا قیامت یہ سلسلہ چلتا جائے گا ۔ جیسا اقبال نے پیام مشرق (صفحہ ۱۹۷) میں کہتا ہے ۔

ظہور مصطفیٰ را بہانہ بو لہبی است

(باقی آئندہ)